وراث شاہؒ: محاسن شعری

چوہدری اظہر علی*

Abstract:

Waris Shah is a famous poet of Punjabi language. Most of the people think that his quality is only to re-narrate Heer. This article gives importance to his literacy qualities.

وارث شاہؒ پنجابی زبان و ادب کے بلند مرتبہ شاعر ہیں، ان کا تخلیق کردہ قصہ ''ہیر'' ان کا شاہکار ہے۔ ہیر لکھنے والوں میں دمودر داس، شاہجہان مُقبلؔ اور کئی دوسرے بھی شامل ہیں لیکن جو شہرت وارث شاہؒ کے حصے میں آئی ہے کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی ''ہیر وارث شاہ'' کو علمی، ادبی اور شعری لحاظ سے جونسی کسوٹی پر رکھا جائے، نہ صرف پوری اترتی ہے بلکہ دوسروں کی نسبت اس کا پلڑا بھاری نظر آتا ہے۔ وارث شاہؒ منظر نگاری کا شہنشاہ ہے۔

چڑی چُوہکی نال جاں ٹُر پاہندی، پئیاں دُدھ دے وِچ مدھانیاں نیں

اُٹھ غُسل دے واسطے جان دوڑے سیجاں رات نُوں جنہاں نے مانیاں نیں (۱)

یہ شعر وارث شاہؒ کی منظر نگاری کا نمائندہ شعر ہے جس میں وارث شاہؒ نے دیہات کی صبح کا منظر پیش کیا ہے۔ وارث شاہؒ کا تخیل بہت بلند ہے کیونکہ وہ ایک فطری شاعر ہے وہ جس واقعہ کی بات شروع کرتا ہے اس کا پورا نقشہ کھینچ دیتا ہے، اس کے کلام میں بیشمار جگہوں پر منظر نگاری نظر آتی ہے۔ دریاؤں، پہاڑوں، جنگلوں اور علاقوں کا نقشہ جس طرح وارث شاہؒ کھینچتا ہے وہ کوئی اور پیش نہیں کر سکا۔ درج بالا شعر پڑھتے ہی دیہات کا منظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتا ہے لیکن اس سے صحیح لطف صرف وہی ہو سکتا ہے جو دیہاتوں کے رہن سہن سے اچھی طرح واقف ہو۔ وارث شاہؒ کی منظر نگاری کی ایک اور شاندار مثال جب کیدو چوچک کو لے کر بیلے میں جاتا ہے پیش کی جا رہی ہے۔

* ریسرچ سکالر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور۔

؎ ''چو چک گھوڑے تے تُرت اسوار ہویا ہتھ سانگ جیوں بجلی لِشکدی اے
سُنب گھوڑے دے کاڑہی کاڑو جن ہیر سُن دِیاں رانجھےتوں کھسکدی اے
اُٹھ رانجھیا بابل آوَں دائی نالے گل کردی نالے ڈُسکدی اے
مینوں چھڈ سہیلیاں نس گئیاں فکر نال ہولی ہولی بُسکدی اے
وارث شاہؒ جیوں مورچے بیٹھ بِلّی ساہ گھٹ جاندی نہیں کُسکدِی اے'' **(ہیر وارث شاہ، ص۸۵)**

ان شعروں میں ''مورچے بیٹھ بِلّی ساہ گھٹ جاندی نہیں کُسکدِی اے'' بہت بڑی منظر نگاری ہے۔اسی طرح انہوں نے لشکدی، کھسکدی، ڈسکدی اور بسکدی کا شاندار انداز میں استعمال کیا ہے۔

وارث شاہؒ نے جس طرح پنجابی شاعری میں مقولہ شاعری کو رواج دیا ہے وہ ان کے علم، فضل ، فنی مہارت اور قابلیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پروفیسر ضیاء محمد اپنی کتاب ''یادگارِ وارث'' میں لکھتے ہیں: مقولہ شاعری پنجابی زبان میں وارثی اضافہ ہے''۔مثال دیکھئے: **(۲)**

؎ ساک ماڑاں دے کھوہ لین ڈاہڈے ان پُجدے اُہ نہ بولدے نیں
نیں چلدا وّس لاچار ہوکے موئے سپ وانگوں وِس گھولدے نیں
کدی آکھدے ماریئے آپ مَریئے پئے اندروں باہروں ڈولدے نیں
کُن ماڑیاں دے سبھّا رہن وِچّے ماڑے ماڑیاں تے دُکھ پھولدے نیں
شان دار نُوں کرے نہ کوئی جھوٹا کنگال جھوٹا کر ٹولدے نیں
وارث شاہؒ لُٹاوندے کھڑے ماڑے، مارے خوف دے مونہوں نہ بولدے نی **(ایضاً، ص۱۰۵)**

وارث شاہؒ نے ''ہیر'' کا قصہ شروع سے لے کر آخر تک مکالمے کے رنگ میں لکھا ہے۔ جگہ جگہ پندو نصائح اور حقائق ومعارف بیان کیے ہیں تاکہ عشقیہ داستان محض ایک خشک داستان نہ رہ جائے بلکہ تمدنی، معاشرتی اور مذہبی حقائق ومعارف کا ایک مفید مجموعہ بن جائے اسی لیے جب شاعر کو محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بات کسی کردار کی زبان سے نکلوانا مناسب نہیں، تو اس بات کو مقولہ شاعر میں خود بیان کر دیتا ہے۔ مقولہ شاعر کا استعمال وارث شاہؒ کی بہت مفید اختراع ہے جس کے ذریعے انہوں نے اپنے علم، تجربے اور ذہانت کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر شائستہ نزہت اپنی کتاب ''عمرانیاتِ وارث شاہؒ'' میں وارث شاہؒ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ''وارث شاہؒ آفاقی، کلاسیکی شاعر ہیں وہ اپنا کلام پنجابی کی کلاسیکی اور صوفیانہ روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تعریف اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت سے شروع کرتے ہیں اور آخر تک مکالموں میں لکھتے ہیں''**(۳)**

وارث شاہؒ کی شاعرانہ خوبیوں میں سب سے پہلی خوبی زبان ہے، وارث شاہؒ کی بولی بڑی سادہ اور ٹھیٹھ ہے۔ وارث شاہ نے دوسری منظوم پنجابی رومانوی داستانوں میں استعمال ہونے والی زبان کے مقابلے میں پنجاب کی ٹھیٹھ روزمرہ بولی کا احسن انداز میں زیادہ استعمال کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی داستان میں پنجابیوں کے دل سانس لیتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ دیہاتوں کے رہن سہن، عقیدے، توہم پرستی، دوستی، دشمنی، سب کے سب وارث شاہؒ کی زبان سے واضح ہوتے ہیں۔ وارث شاہؒ کی زبان اتنی وسیع ہے کہ جو بھی واقعہ یا مسئلہ درپیش ہو خواہ وہ کتنا ٹیڑھا کیوں نہ ہو بڑی آسانی کے ساتھ افسانوی رنگ میں ڈھل جاتا ہے۔ وارث شاہؒ کو زبان پر بے پناہ قدرت حاصل ہے۔ وہ زبان کے بیان میں ایسی جادوگری دکھاتا ہے کہ اس کا ہر لفظ اور فقرہ ایک شعری طلسم بن جاتا ہے اور اس کے شعر حقیقت کا ایک مجسمہ نظر آنے لگتے ہیں جس طرح:

دھاراں کھانگڑاں دِیاں، جھوکاں ہانیاں دیاں، گھول کواریاں تے مزے یاریاں دے **(ہیر وارث شاہ، ص ۱۷۳)**

وارث شاہؒ ایک ہی مصرے میں مکمل عیش کوشی (HEDONISM) کو بیان کر دیتا ہے۔ ویسے بھی وارث شاہؒ زبان پر اتنا قادر ہے کہ لفظ اس کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور وہ جس انداز میں چاہے ان کا استعمال کر لیتا ہے اور جہاں اسے اپنا مقصد بیان کرنے کے لیے کوئی مناسب لفظ نہ ملے وہاں اپنے مطلب اور مفہوم کو واضح کرنے کے لیے وہ الفاظ کو توڑ مروڑ کر استعمال کر لیتے ہیں۔ وارث شاہؒ ایک بہت بڑے عالم دین تھے اور ان کی علمیت ان کے کلام میں پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہوتی ہے۔ وارث شاہؒ کو اپنے علم پر بڑا ناز تھا اور وہ اس کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''وارث شاہؒ'' میاں تیرا علم ہویا مشہور وِچ جنّ تے اِنس طیریں **(ایضاً، ص ۲۷۳)**

ایک شاعر کے لیے عالم فاصل ہونا کوئی شرط نہیں لیکن اگر وہ عالم ہو تو وہ سونے پر سہاگہ ہے۔ وارث شاہؒ عالم تھے اور انہوں نے اپنے علم کا اظہار اپنے شعروں کے ذریعے کیا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لفظوں کے آقا ہیں اور جیسے چاہتے ہیں ان کا استعمال کر لیتے ہیں:

ے اِہ جٹ ہے نی جھُگے پٹ ہے نی اِہ تاں چودھری چوڑ چَپیٹ ہے نی
کدّوں لدّیا اِہ سَنے چھِٹ ہے نی بھانویں ویلنے دی اِہ تا لٹھ ہے نی **(ایضاً، ص ۲۰۶)**

ے جٹّی بول کے دُدھ دی کسر کڈی سبھے اڑتنے پڑتنے پاڑسُٹّے!
پُنے داد پڑداڑے جوگیڑے دے سبھے ٹنگنے تے ساک چاڑھ سُٹّے **(ایضاً، ص ۱۹۹)**

حمید اللہ ہاشمی نے اپنی کتاب میں سیّد وارث شاہؒ کی خوبیاں پنجابی زبان میں اس طرح بیان کی ہیں:

> ''وارث شاہؒ دی بولی اینی مٹھی تے رَس بھری اے کہ دل موہ لیندی اے۔ پنجاب دے پنڈاں دی بولی، تھاں تھاں تے اکھان تے محاورے انج کھپائے ہوئے نیں جویں کِسے سہونے زیور وِچ نگ جڑے ہوون''(۴)

پنجابی زبان کی بڑھوتری میں صوفیائے کرام کا بڑا حصہ ہے۔ پنجابی زبان کے سب سے پہلے صوفی شاعر حضرت بابا فریدؒ تھے انہوں نے اُردو اور فارسی زبان میں بھی شعر کہے تھے کیونکہ اس وقت کی درباری اور سرکاری زبان فارسی تھی۔ سید وارث شاہؒ نے صوفیوں کی زبان ''پنجابی'' کی ترویج میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ وارث شاہؒ اپنی شاعری میں لفظوں کا احسن انداز میں بیان کرنے کے حوالے سے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں۔ انہوں نے لفظوں کا استعمال اتنی اچھی ترکیب سے کیا ہے کہ ایک لفظ بھی ادھر سے ادھر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سارے الفاظ رواں اور متحرک سُر کی ڈوری میں پروئے ہوئے ہیں ان میں سے کسی ایک کو چھیڑنے سے سارے کے سارے الفاظ ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ وارث شاہؒ نے ایک ایک لفظ کو کئی کئی رنگوں اور صفتوں میں استعمال کیا ہے اور اسی طرح ایک بات کو متعدد طریقوں سے بیان کیا ہے:

ے
اِک تخت ہزاریوں گل کیچے جتھے رانجھیاں رنگ مچایا اے
چھیل گھبرو مست البیلڑے نیں سندر اِک تھیں اِک سہایا اے
والے کوکلے مُندرے مُجھ لنگی نواں ٹھاٹھ تے ٹھاٹھ چڑھایا اے **(ایضاً، ص۴)**

وارث شاہؒ نے ہیر کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے بڑی بلا کے الفاظ استعمال کر کے ایک خوبصورت منظر پیش کیا ہے۔ انہوں نے اسی تشبیہات اور استعمارات کا استعمال کیا ہے جو کوئی اور شاعر استعمال نہیں کر سکا:

ے
ہونٹ سرخ یاقوت جیوں لعل چمکن ٹھوڈی سیب ولایتی سار وِچوں
نک الف حسینی دا پپلا سی زلف ناگ خزانے دی بار وِچوں
دند چنبے دی لڑی کہ ہنس موتی دانیں نکلے حُسن انار وِچوں
لِکھی چین کشمیر تصویر جٹی قدسرو بہشت گلزار وِچوں
گردن کونج اُنگلیاں روانہہ پھلیاں ہتھ کولڑے برگ چنار وِچوں
باہاں ویلنیں ویلیاں گنھ مکھن چھاتی سنگ مرمر گنگ دھار وِچوں **(ایضاً، ص۲۸)**

وارث شاہؒ نے اس شعر میں ہیر کی زلفوں کو خزانے پر بیٹھے ہوئے ناگ، سراپے کو چینی مصوری کا شاہکار، ہیر کی گردن کو کونج جیسی انگلیوں کو روانہہ کی پھلیوں، ہاتھوں کو چنار کی پتیوں، بازوؤں کو مکھن میں گوندھے اور ویلنے میں ویلے ہوئے کی تشبیہات دے کر اپنے کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ وارث شاہؒ کے فنی کمال کی ایک اچھی دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنی کہانی کے کردار خوبصورت اور جاندار اختراع کئے ہیں جو جامد نہیں بلکہ متحرک اور فعال نظر آتے ہیں۔ محترمہ عذرا وقار نے وارث شاہؒ کے فنی کمال کی تعریف کچھ یوں بیان کی ہے:

''وارث کے اہم کردار ہیر اور رانجھا دونوں تمام عمر، معاشرے کی فرسودہ روایات کے

خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ ثقافتی اعتبار سے یہ دونوں معاشرے کے دو رویوں کی علامت ہیں۔ ہیر عورت کی جاگیردارانہ سماج میں غلامی کے خلاف بغاوت کی علامت ہے اور رانجھا محنت کش طبقہ کے طبقاتی کردار کی کمزوری کی علامت ہے"(۵)

وارث شاہؒ کی کہانی کے کردار مافوق الفطرت نہیں بلکہ حقیقی اور ہماری روزمرہ زندگی کی نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ کردار اتنے حقیقی ہیں کہ وہم و گمان میں بھی نہیں آتا کہ یہ ایک کہانی کے کردار ہیں بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہماری اپنی دنیا میں ہماری زندگی کے لوگ آپس میں بات چیت کر رہے ہیں۔

وارث شاہؒ کی ہیر کی مشہوری کی ایک اور وجہ اس کی پیاری اور میٹھی سریں ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ہیر کو گا کر پڑھا یا سنا جائے تو اس کا سرور ہی نرالا ہے۔ وارث شاہؒ کی تحریر کردہ، پنجابیوں کے دلوں میں صدیوں سے زندہ رہنے والی "ہیر" کی بہت ساری خوبیوں میں ایک اہم ترین خوبی اس کی موسیقی ہے اور یہ موسیقی آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ایک اہم حیثیت کی حامل ہے اور آج بھی اتنی ہی مقبول ہے جتنی کبھی پچھلے ادوار میں تھی۔

وارث شاہؒ کی شعری کمالات پر بحث کرنے اور پھر انہیں ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے ایک پورے دیوان کی ضرورت ہے مگر اس مقالے میں تو محدود پیمانے پر ہی بحث ہو سکتی ہے۔ وارث شاہؒ کی "ہیر" کا ایک ایک شعر کمال درجے کا ہے اور اس کے اپنے قول بھی بے مثال ہیں۔ وارث شاہ کے کلام کی خوبیوں میں پُر گوئی، قصہ گوئی، انسانی فطرت کی واقفیت، تخیل، تصویر کشی، منظر نگاری، کردار نگاری، معرفت اور حقیقت، شوخی، مزاح، کہاوتوں کا استعمال۔ صنعتوں، تشبیہوں، استعارات، اشارہ کنایہ، تجاہل عارفانہ، موسیقیت، ردیف اور قافیہ جیسی اصطلاحوں کا احسن انداز میں استعمال کرنے کا فن اسے دوسرے تمام شعراء سے ممتاز کرتا ہے۔ پنجابی زبان کا کوئی اور شاعر ان کی ہوا کو بھی نہیں چھو سکتا۔

اب قارئین کی توجہ کے لیے "ہیر وارث شاہؒ" کے ایک بند کا جائزہ لیتے ہیں جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے جب راجہ عدلی کے دربار میں قاضی نے فیصلہ کر کے ہیر کو کھیڑیوں کے حوالے کر دیا اور اس وقت ہیر یوں بدعا کرتی ہے:

ے رَبّا قہر پائیں اُہ شہر اُتّے جہڑا گھت فرعون ڈھایا اِی
جہڑا نازل سی ہویا زکریہؑ تے اُہنوں گھت شرینہ چِروایا ای
جہڑا پاکے قہر تے نال غصے وِچ اَگ خلیل پوایا ای
جہڑے قہرے دے نال پھر شاہ مرداں اِکس نفرتوں قتل کرایا ای **(ہیر وارث شاہ، ۲۹۶)**

یہاں یہ بات عام قاری کو بڑی کھٹکتی ہے کہ اس بند میں جہاں فرعون پر عذاب کا ذکر ہے وہاں اسی عذاب کا ذکر چھ [۶] انبیاء، حضرت ابراہیمؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت یونسؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت یوسف تین آئمہ پاک حضرت علیؑ شاہِ مرداں، حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے چچا حضرت امیر حمزہؓ کے ناموں کا بھی اسی انداز میں کیا گیا ہے۔

اس بند میں فرعون کے دریائے نیل میں غرق ہونے کا ذکر ہے جسے وارث شاہؒ نے اللہ تعالیٰ کے غضب کا نام دیا ہے حالانکہ فرعون خدائے باری تعالیٰ کا دشمن تھا اور اس زمین پر اپنے آپ کو خدا کہلواتا تھا، رعایا پر ظلم کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح کے لیے حضرت موسیٰؑ کو بھیجا۔ اس نے اصلاح قبول نہ کی بلکہ حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ حضرت موسیٰؑ اپنے ماننے والوں کو ساتھ لے کر شہر چھوڑ کر جا رہے تھے کہ فرعون اپنی فوج سمیت ان کے پیچھے لگ گیا، راستے میں دریائے نیل آ گیا۔ حضرت موسیٰؑ نے دریا میں عصاء مارا تو دریا میں بارہ راستے بن گئے۔ حضرت موسیٰؑ اور ان کی فوج ان بارہ راستوں سے دریا پار کر گئے۔ فرعون نے جب دیکھا کہ حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم دریا میں سے گذر رہی ہے تو اس نے بھی اپنی فوجوں کو ان راستوں سے گذرنے کا حکم دیا، جب فرعون کی فوجیں عین دریا کے درمیان پہنچیں تو اللہ پاک نے وہ بنے ہوئے راستے مٹا دیئے اور فرعون اپنی فوجوں سمیت دریائے نیل میں غرق ہو گیا۔ اس طرح فرعون اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو کر واصلِ جہنم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا فرعون پر قہر اور عذاب نازل کرنا سمجھ میں آتا ہے کیونکہ وہ خدا کا دشمن تھا، لوگوں کو خدا کی عبادت سے منع کرتا تھا اور اپنے آپ کو خدا منواتا تھا۔ اس پر عذابِ الٰہی مسلمہ امر تھا جو نازل ہوا لیکن جہاں تک اس بند میں چھ نبیوں، تین آئمہ پاک اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بارے ذکر آیا ہے وہ عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہے:

ع جھڑے پاکے قہر تے نال غصّے اگ وِچ خلیل پوایا ای

ان شعروں کا مطلب جاننے کے لیے لفظ قہر کا مطلب جاننا ضروری ہے کیونکہ اس لفظ کا مطلب اور مفہوم جانے بغیر ان شعروں کا صحیح صحیح مطلب سامنے نہیں آ سکتا۔ لفظ ''قہر''، ''قہر قلور''، غصب، غصّے اور عذاب کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اب جب ان معنوں کو سامنے رکھ کر اس بند کے شعروں کا مطلب و مفہوم دیکھا جائے تو وہ یوں بنتا ہے:

''اے اللہ تعالیٰ تو نے جیسے غضب یا ظلم کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈلوایا،
ایسے ہی غضب کو دکھانے کے لیے اس شہر کو آگ لگائے دے''۔

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نہ تو ظالم ہے اور نہ ہی اپنے مبعوث کئے ہوئے انبیاء پر قہر اور غضب نازل کرتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جن کو اللہ تعالیٰ کا خلیل کہا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پکے ارادوں والے پیغمبرؑ اور رسولؑ تھے۔ ان کی نسل سے کم از کم ایک ہزار نبیؑ اور رسولؑ دنیا کی ہدایت کے لیے ہادی بن کر آئے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آپ کی نسل سے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کو بتوں کو توڑنے سے باز نہ آنے پر نمرود اور اس کے ساتھیوں نے آگ کی ایک بڑی چِخہ جلا کر اس میں ایک کمان کے ذریعے پھینک دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آگ کو گلزار بنا دیا اور اپنے خلیل کو بچا لیا۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کا امتحان تھا جس میں وہ سرخرو ہوئے۔ اس واقعہ کو کسی صورت بھی رب تعالیٰ کے

غضب یا قہر کا نام نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی اہل بیت اطہار کے بارے میں ایسے الفاظ کہے جاسکتے ہیں۔اگر اس فلسفے کو لیا جائے تو ہماری عبادتیں،عقیدے اور اسلامی تعلیمات پر سوالہ نشان ابھرے گا کیونکہ ہر مسلمان دن میں پانچ دفعہ نمازِ پنجگانہ میں حضرت ابراہیمؑ ،حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کی آل پاک پر درود بھیجتا ہے اور اگر وہ درود نہ بھیجے تو نماز قبول نہیں ہوتی۔دوسری دلیل یہ ہے کہ ہر مسلمان دن میں جب پنجگانہ نماز ادا کرتا ہے تو سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے۔اس سورۃ کو ترک کرنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے اور مسلمان اس سورۃ کے ذریعے دعا مانگتا ہے کہ:

''اے اللہ مجھے صراطِ مستقیم پر چلا،ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تیرا انعام ہوا نہ کہ
ان لوگوں کے راستے پر جن پر تیرا غضب ہوا اور وہ گمراہ ہوئے''۔

معلوم ہوا کہ جس بندے پر اللہ تعالیٰ کا قہر اور غضب ہوتا ہے وہ گمراہ بھی ہوتا ہے اور اگر ان شعروں کی بنیاد پر یہ نظریہ مان لیا جائے تو پھر مذہب اسلام اور اس کے ماننے والوں کے عقیدے پر سوال اٹھتے ہیں۔

وارث شاہؒ جیسے صاحبِ علم اور صاحب کمال شخص سے ایسی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس طرح کا نظریہ پیش کرے گا جس سے لوگ حق کی پہچان کرنے کی بجائے الٹا گمراہ ہوجائیں۔اس سلسلے میں جانچ پرکھ کی ضرورت ہے کہ یہ شعر واقعی سیّد صاحب کے اپنے ہی ہیں یا پھر بعد میں اصلی اور بڑی ہیر بنانے والوں کے فن کی وجہ سے شامل کر لیے گئے۔ہوسکتا ہے کہ سید وارث شاہؒ کے بعد آنے والے دور میں یہ شعر وارث شاہؒ کے کلام میں بھرتی کر دیئے گئے ہوں اور وارث شاہؒ نے یہ شعر کہے ہی نہ ہوں کیونکہ وارث شاہؒ حضرت امام حسن علیہ السلام،حضرت امام حسین علیہ السلام اوران کے والد گرامی (دامادِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،شیر خدا،شاہِ مرداں) حضرت علیؑ کے بارے اپنی عقیدت کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

حضرت حسنؑ حسینؑ دی ذات عالی علیؑ شیر خدا دے شیر دونویں
لخت جگر رسول بتول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جائے عاشق رب دے مرد دلیر دونویں
دوہتروان حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا دے نی اُچّی جددے وڈوڈیر دونویں
رَبّ پاک آیت قدسی بھیجد تی ہووے شرک توں پرے پریر دونویں
مہربان تمامیاں موماناں دے مددگار نے سنج سویر دونویں
حل مشکلاں وارثا گُل کردے، ہتھو ہتھ نہ لاوندے دیر دونویں (۶)

وارث شاہؒ کے ان شعروں سے اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولادِ علی علیہ السلام کے ساتھ ان کے عشق کا اظہار ہوتا ہے۔جو شخص اہل بیت علیہم السلام کو شرک سے دور تسلیم کرتا ہے وہ ان کی شہادتوں کو کیسے قہر خدا قرار دے سکتا ہے۔کوئی شاعر لوگوں کے سامنے دوہرا معیار کیسے پیش کرسکتا ہے اور پھر وارث شاہؒ جیسے اعلیٰ درجے کے عالم فاضل شاعر سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟

حوالہ جات

۱۔ ہیر وارث شاہؒ۔ ترتیب کار: محمد شریف صابر، پروگریسو بکس لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۲۱۔

۲۔ پروفیسر ضیاء محمد۔ یادگارِ وارثؒ، ظفر علی ضیا منزل، قلعہ دار، گجرات، دوسرا ایڈیشن، س ن، ص ۱۴۹۔

۳۔ شائستہ نزہت (ڈاکٹر)، عمرانیات وارث شاہؒ، جمہوری پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۵۷۔

۴۔ حمید اللہ ہاشمی، سیّد وارث شاہؒ مجلس پنجابی ادب، فیصل آباد، ۱۹۷۸ء، ص ۵۹-۶۰۔

۵۔ عذرا وقار، وارث شاہؒ عہد اَور شاعری، ادارہ تاریخ و تہذیب و تمدنِ اِسلامی، ۱۹۸۱ء، ص ۱۴۹۔

۶۔ ہیر وارث شاہ، مرتبہ، پیرا ندتہ ترگڑ، عمر بک سنٹر، اُردو بازار، لاہور، س ن، ص ۶۳

❀……❀……❀